خلیج کا بحران، عراق کی تباہی یقینی بنادی گئی ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۱؍ جنوری ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

جب خیبر کا قلعہ فتح ہوا تو اُس کے بعد حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا نکاح حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا۔ چنانچہ اس نکاح کے بعد اُس سفر سے واپسی پر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ جس اُونٹنی پر سوار تھے اسی سواری کے پیچھے حضرت صفیہؓ کو بھی پیچھے بٹھالیا۔ جو باتیں اس عرصے میں ہوئیں اُن میں سے ایک خاص موضوع پر جو گفتگو آپؐ نے فرمائی وہ احادیث میں محفوظ ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ صفیہ! میں تم سے بہت معذرت خواہ ہوں اور دل کی گہرائی سے معذرت کرتا ہوں اس بات پر جو میں نے تمہاری قوم کے ساتھ کی یعنی یہودیوں کا قلعہ خیبر جو فتح کیا اور اس دوران جو یہود کے ساتھ سختی کی گئی اُس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت صفیہؓ سے آنحضرت ﷺ نے معذرت فرمائی۔ لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ میں تمہیں یہ بتادینا چاہتا ہوں کہ اس واقعہ سے پہلے تمہاری قوم نے مجھ سے کیا سلوک کیا تا کہ تمہیں یہ غلط فہمی نہ رہے کہ گویا میں نے کسی تعصّب کے نتیجے میں ناواجب ظلم کے طور پر قلعہ خیبر پر حملہ کیا اور اس کو تاخت وتاراج کیا۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے آغاز سے لے کر اس وقت تک کے یہود قبائل کے ان مظالم کا اور ظلم وستم کا ذکر کرنا شروع فرمایا جو شروع سے ہی وہ کرتے چلے آئے تھے اور پھر اپنی ذات سے متعلق خصوصیت سے حضرت صفیہؓ کو بتایا کہ کس طرح میرے اُوپر یہ لوگ ذاتی حملے کرتے رہے اور میری کردار کُشی کرتے رہے اور گالیاں دیتے رہے اور اِس ساری گفتگو کا مقصد یہ تھا کہ نکاح کے بعد جو خاتون گھر میں تشریف لا رہی ہیں اُن کے دل پر کسی قسم کی غلط فہمی کا داغ نہ رہے اور آنحضرت ﷺ کی اس

شخصیت کے متعلق کسی قسم کی کوئی بھی غلط فہمی باقی نہ رہے۔

اِن دنوں چونکہ عراق کا معاملہ زیر بحث ہے، عراق اور کویت کا جو جھگڑا چلا ہے اس ضمن میں میں نے کئی خطبات اِس موضوع پر دیئے کہ مغربی قومیں اِن مسلمان ممالک سے کیا کر رہی ہیں۔ اِس دوران مجھے بھی بار ہا یہ خیال آیا کہ وہ احمدی مسلمان جو مغربی قوموں سے تعلق رکھتے ہیں اُن کے دِل میں کہیں یہ وہم پیدا نہ ہو کہ ہم نسلی اِختلافات کی وجہ سے اِس طرح مغرب کو تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں اور احمدیوں کے اندر بھی گویا دبا ہوا نسلی تعصب موجود ہے۔ پس سب سے پہلے تو میں اِس بات کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت اقدس محمد ﷺ کے پیغامات میں سے ایک اہم پیغام یہ تھا جسے آپ نے اپنی زبان سے بھی دیا اور اپنے فعل سے بھی اس کی سچائی ثابت فرمائی کہ مذہب کا نسلی اختلافات سے کوئی تعلق نہیں اور مذہب اِس بات کو برداشت نہیں کر سکتا کہ تعصّب کے نتیجے میں کِسی سے اختلاف کیا جائے یا کسی سے کسی قِسم کا جھگڑا کیا جائے۔ جماعت احمدیّہ بھی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی سُنّت کے معدُوم حصّوں کو زندہ کرنے والی جماعت ہے۔ ایسی سُنّت کو اپنے کردار میں ازسرنو زندہ کرنے کا عزم لے کر اُٹھی ہے جِس سُنّت کے حسین پہلوؤں کو بالعموم مسلمانوں نے بُھلا رکھا ہے۔ پس اس پہلو سے دُنیا کے کسی انسان کے ذہن میں یہ وہم نہ رہے کہ جماعت احمدیہ بھی نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ مشرق اور مغرب کی تقسیموں میں اور اختلافات میں یا سفید اور سیاہ کے اختلافات میں کسی قِسم کا نسلی تعصّب رکھتی ہے۔ کیونکہ نسلی تعصّب اور اسلام بیک وقت ساتھ نہیں رہ سکتے پس جو بھی تنقید میری طرف سے کی جاتی رہی ہے اور کی جائے گی وہ اِسلام کے اعلیٰ اخلاقی اصولوں کے پیش نظر ہے اور اس پہلو سے جو بھی تنقید کا سزاوار ٹھہرے گا۔ اس پر تنقید کی جائے گی مگر تکلیف دینے کی خاطر نہیں بلکہ حقائق سامنے رکھنے کے لئے اور معاملات سمجھانے کی خاطر۔

اس تمہید کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب بھی میں تبصرہ کرتا ہوں اپنے دِل کو خوب اچھی طرح ٹٹول لیتا ہوں اور کبھی بھی کسی قِسم کے تعصّب کی بناء پر کوئی تنقید نہیں کرتا بلکہ خدا کے حضور اپنے دل کو پاک صاف کر کے حقائق اور سچائی بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ یہ سچائی بعض صورتوں میں بعض لوگوں کو کڑوی لگتی ہے، بعض صورتوں میں بعض دُوسرے لوگوں کو کڑوی لگتی ہے۔ مگر اس میں ہماری بے اختیاری ہے۔ **ہم محض تعصّبات کی وجہ سے کسی ایک کا ہمیشہ ساتھ نہیں دے سکتے۔ ہمیشہ سچ کا ساتھ دیں گے، ہمیشہ**

کلام اللہ کا ساتھ دیں گے، ہمیشہ سُنّتِ نبوی کا ساتھ دیں گے اور جس نے ہمارا ہمیشہ کا دوست بننا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کلام اللہ کا دوست بن جائے، وہ سنتِ نبوی محمد ﷺ کا دوست بن جائے اور حق کا دوست بن جائے۔ سچائی کا دوست ہو جائے۔ ایسی صورت میں وہ ہمیں ہمیشہ اپنے ساتھ پائے گا۔

پس اِس مختصر وضاحت کے بعد اَب مَیں دوبارہ اِسی مسئلے کو آپ کے سامنے رکھتا ہوں جس پر دو خطبات چھوڑ کر اس سے پہلے کئی خطبات میں مَیں نے گفتگو کی۔ یعنی عراق کویت کے جھگڑے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی عالمی صورتِ حال، اب صرف چند دن ایسے رہ گئے ہیں جن میں امن کی کوششیں بہت تیز کر دی گئی ہیں اور بالآخر رُخ اسی مشورے کی طرف ہے جو مشورہ میں نے آغاز میں قرآنی تعلیم کی صورت میں پیش کیا تھا۔ مَیں نے قوموں کو متوجہ کیا تھا کہ اِس کو اسلامی معاملہ رہنے دیں اور عالم اسلام آپس میں نپٹائے۔ عالم عرب بھی نپٹانے کی کوشش کرے مگر فی الحقیقت یہ درست نہیں ہوگا کہ عرب اسے صرف اپنا عرب مسئلہ بنالیں لیکن افسوس ہے کہ اس معاملہ میں جو کوششیں شروع کی گئی ہیں وہ بہت ہی تاخیر سے شروع کی گئی ہیں۔ اَب عالمی مسئلے سے عرب مسئلے کی طرف تو توجہ بڑی بڑی قوموں کی مبذول ہو چکی ہے۔ لیکن مسلمان مسئلے کے متعلق ابھی چند دن پہلے پاکستان میں بعض وزارئے خارجہ کی ایک کانفرنس ہوئی۔ اس میں اس مسئلے کو چھیڑا گیا اور پاکستان کی طرف سے ایک کوشش کی گئی کہ تمام دُنیا کے مسلمان ممالک مل کر اس مسئلے کو سلجھانے کی کوشش کریں۔ لیکن اتنی تاخیر کے ساتھ اُٹھایا گیا قدم ہے کہ بظاہر اس کے نتیجے میں کچھ ہوتا ہوا دِکھائی نہیں دیتا۔

موجود صورت یہ ہے کہ امریکہ اور برطانیہ ان قوموں کی فہرست میں اوّلیت رکھتے ہیں جو شدت کے ساتھ عراق کو کُچل دینے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں اور ان ہی کی راہنمائی میں، ان ہی کی سیادت اور قیادت میں جنگ کا طبلہ بجایا جا رہا ہے اور بار بار اِس بات کو دُہرایا جا رہا ہے کہ عراق کو نیست و نابود کر دینا ضروری ہے تاکہ دُنیا باقی رہے۔ یعنی عراق اگر اپنی اس طاقت کے ساتھ باقی رہ گیا اور اسے اور موقعہ مل گیا تو دُنیا کا امن مفقود ہو جائے گا بلکہ دُنیا کے وجود کو شدید خطرہ لاحق ہوگا یہ ایک مؤقف ہے جسے بلند آواز سے دنیا کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے اور بار بار جب انٹرویوز ہوتے ہیں یا اخبارات میں ان لوگوں کے سوال و جواب چھپتے ہیں تو ان میں ایک بات کو پیش کیا جا رہا ہے کہ دیکھو عراق نے کویت پر کتنے مظالم کئے ہیں اور اتنے خوفناک مظالم کے بعد جو عالمی رائے عامہ ہے کس طرح اس کو

نظر انداز کر سکتی ہے۔ ایسے ظالموں کو جنہوں نے قتل و غارت کیا، جنہوں نے لُوٹ مار کی، گھروں کو جلایا، ان کو خود زندہ رہنے کا کیا حق رہ جاتا ہے۔ اگر آج اس ظلم کے خلاف بیک وقت تمام قوموں نے مل کر پیش قدمی نہ کی اور ظالم کو سزا نہ دی تو پھر ظلموں کی راہیں کھل جائیں گی اور کوئی بھی کسی کو ظلم کی راہ پر چلنے سے روک نہیں سکے گا۔ یہ مؤقف ہے اس کا خلاصہ یہ ہے اور عراق کا مؤقف اس کے برعکس یہ ہے کہ تم بڑے بڑے اصولوں کی اور اعلیٰ اخلاق کی باتیں کر رہے ہو لیکن بھول جاتے ہو کہ مشرق وسطیٰ میں عرب علاقوں میں جو کچھ بھی بے اطمینانی ہے اور بے چینی ہے جس کے نتیجے میں بار بار امن کو خطرہ لاحق ہوتا ہے اس کے اصل ذمہ دار تم ہو اور جب بھی ایسے مواقع آئے جب اُن مسائل کو جو مشرق وسطی سے تعلق رکھتے ہیں حل کیا جا سکتا تھا تو تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے روکیں پیدا کیں اور ایسی ہی بات جو ہم نے کی ہے یعنی جسے تم ناجائز قبضہ کہتے ہو، عراق ناجائز تو نہیں کہتا مگر کہتا ہے کہ جس طرح ہم نے کویت پر قبضہ کیا ہے اس طرح اسی قریب کے زمانے میں اسرائیل نے اُردن کے مغربی کنارے پر قبضہ کر رکھا ہے اور تم United Nations کی باتیں کرتے ہو حالانکہ United Nations نے بار ہا ریزو یوشنز کے ذریعے اسرائیل کو قبضہ چھوڑنے پر مجبور کرنے کی کوشیش کیں اور ہر بار خصوصیت کے ساتھ امریکہ نے ان کوششوں کی راہ میں روڑے اٹکائے اور بلکہ اگر Resolutions کو Vito کرنا پڑا تو ویٹو کر دیا۔ تو عراق، امریکہ اور برطانیہ کو مخاطب کر کے یہ کہتا ہے کہ تم اخلاق اور پھر اعلیٰ اصولوں کی باتیں ترک کر دو۔ اگر واقعی تمہارے نزدیک ان اصولوں کی کوئی قدر و قیمت ہے تو پھر مجموعی طور پر ان تمام مسائل کو ایک ہی پیمانے سے ناپنے کی کوشش کرو اور ایک ہی طریق پر حل کرنے کی کوشش کرو، جو مسائل عراق کویت مسئلے سے ملتے جلتے پہلے سے موجود ہیں اگر تم ایسا کرو تو ہم اس بات پر رضامند ہوتے ہیں کہ ہم بھی انہی اصولوں کے مطابق جو بھی انصاف کے فیصلے ہیں ان کے سامنے سر تسلیم خم کریں گے۔ ایک پہلو تو ان کے مؤقف کا یہ ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر کسی ملک کو کسی ملک پر قبضہ کرنے کی اجازت دے دی جائے محض اس لئے کہ وہ طاقتور ہے تو پھر دنیا سے امن ہمیشہ کیلئے اُٹھ جائے گا۔ یعنی ظلم والے حصے کے علاوہ اس کو الگ پیش کیا جاتا ہے اور قبضے والے حصّے کو الگ پیش کیا جاتا ہے گویا وہ دو دلائل ہیں۔ اب تعجّب کی بات یہ ہے کہ جو قومیں یہ باتیں کرتی ہیں اُن کی اپنی تاریخ اُن کے خلاف ایسی سخت گواہی دیتی ہے کہ کبھی دنیا

کی کسی قوم کے خلاف اس قوم کی تاریخ نے ایسی گواہی نہیں دی۔

امریکہ کی جو موجودہ حکومت ہے اس کا یورپ سے تعلق ہے اور زمانے کا جو نیا دور شروع ہو چکا ہے اسی زمانے میں یہ لوگ یورپ سے امریکہ گئے۔ سترھویں صدی کے آغاز کی بات ہے کہ پہلی دفعہ امریکہ دریافت ہوا اور اس کے بعد انہوں نے سارے امریکہ پر، شمالی امریکہ پر بھی اور جنوبی امریکہ پر بھی قبضہ کرلیا اور جو مظالم اُنہوں نے وہاں توڑے ہیں اور جس طرح نسل کشی کی ہے اُس کی پوری کی پوری تاریخ انسانی میں کوئی مثال شاذ ہی ملتی ہوگی۔ اُن قوموں کو جو اس وسیع براعظم کی باشندہ تھیں وہ ایک قوم تو نہیں تھی مگر Red Indians کے نام پر وہ ساری مختلف قومیں مشہور ہیں ان کا باقاعدہ ایک منصوبہ بندی کے ذریعے قلع قمع کیا گیا یہاں تک کہ وہ گھٹتے گھٹتے اب آثار باقیہ کے طور پر رہ گئی ہیں۔ یہی وہ قومیں ہیں جو جانوروں کے ساتھ ایسی محبت رکھتی ہیں کہ بار بار آپ اِن کے پریس میں یا اِن کے ٹیلی ویژن وغیرہ پر ایسے مضامین اور پروگرام دیکھ سکتے ہیں کہ جس میں یہ بتاتے ہیں کہ فلاں نسل کے غائب ہونے کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے اس کو بچاؤ۔ لیکن وسیع براعظم پر پھیلی ہوئی مختلف ریڈانڈین قوموں کو خود انہوں نے اس طرح ہلاک کیا ہے اور اس طرح ملیامیٹ کیا ہے کہ ان میں بہت سی ایسی ہیں جن کا نام ونشان مٹ چکا ہے اور بہت تھوڑی تعداد میں وہ قومیں باقی رہ گئی ہیں جن کا ذکر ان کی تاریخ میں اور ان کے لٹریچر میں ملتا ہے۔ اب وہ صرف انکی فلموں میں دکھائی دیں گی یا اُن کے لٹریچر میں ورنہ اکثر وہ قبائل صفحہ ہستی سے بالکل نابود ہو چکے ہیں اور جس رنگ میں مظالم کئے گئے ہیں وہ تو ایک بڑی بھاری داستان ہے۔ پھر افریقہ پر قبضہ کر کے یا افریقہ پر حملے کر کے یورپین قوموں نے جس طرح مظالم کئے ہیں جس طرح ان کو غلام بنا کر لکھوکھہا کی تعداد میں بیچا گیا اور ان سے زبردستی مزدوریاں لی گئیں اور امریکہ میں سب سے زیادہ ان قیدیوں کی مانگ تھی جن کو غلام بنا کر پھر امریکہ میں فروخت کیا گیا اور آج امریکہ کی آبادی بتا رہی ہے کہ وہاں کثرت کے ساتھ یہ سیاہ فام امریکن اسی تاریخ کی یاد زندہ کرنیوالے ہیں جب انسانوں کے ساتھ ایسا ظالمانہ سلوک کیا گیا کہ اس کے تصور سے بھی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جن قلعوں میں انکو پہلے قید رکھا جاتا تھا ان میں سے ایک قلعہ میں نے بھی دیکھا ہے اور اتنی تھوڑی جگہ میں اتنے زیادہ آدمیوں کو بھر دیا جاتا تھا کہ Black Hole کے متعلق جو ہم نے ہندوستان کی تاریخ میں پڑھا ہوا ہے ویسے

Black Hole بار بار بنائے گئے اور بہت سے آدمی اُن میں سے دم گھٹ کر مر جایا کرتے تھے اور باقیوں کو پھر گائے اور بھینسوں کی طرح ہانک کر جہازوں پر سوار کر دیا جاتا تھا۔ جہازوں کی جو حالت ہوتی تھی وہ ایسی خوفناک تھی کہ ان کے اپنے مؤرخین لکھتے ہیں کہ جہاز پر ایک بڑی تعداد میں وہ سفر کی صعوبتیں برداشت نہ کر سکنے کے نتیجے میں مر جایا کرتے تھے۔ اور بہت ہی برے حال میں وہاں پہنچا کرتے تھے۔ پھر وہاں ان کو اِس طرح ہانکا جاتا تھا جس طرح گائے بیل کو ہانکا جاتا ہے۔ سانٹے مار کر ان سے باقاعدہ مزدوریاں لی جاتی تھیں یا ان کی سواریاں چلاتے تھے، ان کے ہل چلاتے تھے۔ ہر قسم کے کام جو بالعموم انسان جانوروں سے لیتا ہے وہ ان سے بھی لیتا تھا۔ تو جس قوم کی یہ تاریخ ہو آج وہ یہ اعلان کر رہی ہو کہ انسانیت اور اعلیٰ اخلاق کے نام پر ہم مجبور ہو گئے ہیں کہ کویت کی سرزمین کو بحال کرنے کیلئے ان کمزوروں کی مدد کریں۔ ظلم و ستم ہو رہا ہے۔ اس کے خلاف ہم علم بلند کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کیونکہ ہماری اعلیٰ اخلاقی قدریں ہم سے یہ تقاضا کر رہی ہیں، اگر ہم نے یہ نہ کیا تو دنیا سے انسانیت مِٹ جائے گی۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو دنیا سے ہر غریب اور کمزور ملک کا امن و امان اٹھ جائے گا۔ اس کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں رہے گی۔ اگر یہ واقعۃً درست ہے اور اگرچہ بہت دیر میں خیال آیا ہے تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بہت اچھا اب اس نیک خیال کے نتیجے میں امریکہ خالی کر دو اور جو بیچارے چند بچے کھچے Red Indians رہ گئے ہیں ان کے سپرد ان کی دولت کر کے واپس اپنے اپنے پرانے آبائی ملک کی طرف لوٹ جاؤ؟ لیکن جب آپ یہ کہیں گے تو کہیں گے تم پاگل ہو گئے ہو؟ تم کیسی باتیں کرتے ہو؟ ان دونوں کے درمیان کوئی Link نہیں ہے۔ وہ اور بات تھی یہ اور بات ہے۔ اب اگر دو ایک جیسی باتوں کو ''اور بات'' اور ''اور بات'' کہہ کر رد کر دیا جائے تو اس کا کیا جواب ہے۔

برطانیہ جو امریکہ کے ساتھ عراق کی مخالفت میں سب سے زیادہ جوش دکھا رہا ہے اور بار بار وہی دلائل دے رہا ہے ان کا اپنا حال یہ ہے کہ جب انہوں نے آسٹریلیا پر قبضہ کیا تو وہ بھی ایک براعظم تھا اور اس معاملے میں امریکہ کے ساتھ بہت گہری مشابہت ہے۔ آسٹریلیا میں جو مظالم انگریز قابضوں نے توڑے ہیں وہ اتنے زیادہ خوفناک ہیں کہ امریکہ کے مظالم بھی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے ایک نمایاں فرق آسٹریلین Aboriginies یعنی پرانے باشندوں اور امریکن باشندوں میں یہ تھا کہ امریکن باشندے لڑاکا قومیں تھیں۔ جنگجو قومیں تھیں اور بڑی بہادری کے ساتھ

لڑکر اپنے اپنے علاقوں کا دفاع کرنا جانتی تھیں اور بڑی عظیم الشان قربانیاں اس راہ میں دیتی تھیں لیکن آسٹریلیا کے Aboriginies بالکل امن پسند لوگ تھے اور ان بے چاروں کو لڑنا آتا ہی نہیں تھا۔ ان کو انہوں نے جنگلوں میں اس طرح شکار کیا ہے جس طرح ہرن کا شکار کیا جاتا ہے اور شکار کرنے کے بعد جو بچ جاتے تھے ان کو پکڑ کر باقاعدہ آپریشنز کے ذریعے اس حال تک پہنچا دیتے تھے کہ آئندہ ان سے نسل پیدا ہی نہ ہوسکتی ہو اور بہت ہی وسیع پیمانے پر اور بڑے بھیانک طریق پر نسل کشی کی گئی ہے یہاں تک کہ ان قوموں میں سے جن میں ایک وقت میں 1600 الگ الگ زبانیں بولی جاتی تھیں، اب صرف چند زبانیں ہیں جن کا ریکارڈ رہ گیا ہے اور ان قبائل کے بچے کھچے حصوں کے چند ایسے علاقے رہ گئے ہیں جہاں جس طرح چڑیا گھر میں جانور رکھے جاتے ہیں اس طرح ان کی حفاظت کی جارہی ہے اور لوگوں کو دکھانے کے لئے کہ یہ وہ لوگ تھے جن سے ہم نے یہ ملک لیا ہے۔ ان کا انتظام کیا جارہا ہے کہ کم سے کم ان کی نسلیں باقی رہ جائیں۔ اب یہ برطانیہ کی تاریخ ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں جو کچھ کیا گیا جو افریقہ میں کیا گیا، ان سب باتوں کے ذکر کا وقت نہیں ہے مگر میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اصول اور اخلاق کی جب بات کی جائے تو اصول اور اخلاق زمانے سے بالا ہوا کرتے ہیں اور وقت کے ساتھ بدل نہیں جایا کرتے۔

اب Sanctions کی باتیں کرتے ہیں تو حال ہی کی بات ہے کہ ابھی جنوبی افریقہ کے خلاف Sanctions کی گئیں اور ان Sanctions میں سالہا سال لگ گئے اور انہوں نے کوئی اثر نہ دکھایا یعنی نمایاں اثر نہ دکھایا۔ اس کے نتیجے میں یہ آواز بلند نہیں ہوئی کہ Sanctions میں اتنی دیر ہوگئی ہے وہ کام نہیں کر رہیں۔ اب ضرورت ہے کہ ساری دنیا مل کر جنوبی افریقہ پر حملہ کر دے اور خود مغربی ممالک نے خود انگلستان نے ان Sanctions کا بہت سے مواقع پر ساتھ نہیں دیا اور انگلستان کی رائے عامہ نے بھی اپنی حکومت کے خلاف آواز بلند کی مگر پرواہ نہیں کی گئی اور ان کے خلاف بھی کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ یہ کسی پرانی تاریخ کا حصہ نہیں یہ آج کی تاریخ کی باتیں ہیں اور نہ یہ کسی نے آواز بلند کی کہ جو قومیں Sanctions کے ساتھ تعاون نہیں کر رہیں ان کو زبردستی فوجی طاقت کے ساتھ Sanctions کے مطابق کارروائی پر مجبور کر دیا جائے اور نہ یہ آواز بلند کی گئی کہ اتنی دیر ہوگئی ہے Sanctions کام نہیں کر رہیں اب اس کے متعلق کچھ اور کرنا چاہئے لیکن

عراق کے متعلق یہ دونوں باتیں بڑی شدت کے ساتھ اٹھتی رہیں۔ایک تو یہ کہ Sanctions یعنی اقتصادی بائیکاٹ اتنا مکمل ہو کہ کچھ بھی وہاں نہ جاسکے،خوراک نہ جاسکے،ادویہ نہ جاسکیں،کوئی چیز کسی قسم کی وہاں داخل نہ ہو نہ وہاں سے باہر نکل سکے اور ساتھ ہی اس سختی کے ساتھ اس کو نافذ کیا گیا کہ چاروں طرف سے عراق کی ناکہ بندی کر دی گئی بلکہ اردن کی بھی ناکہ بندی کر دی گئی۔جس کے رستے سے یہ امکان تھا کہ یہ Sanctions توڑ دی جائیں گی یا ان کے کسی حصے میں اس کی خلاف ورزی کی جائے گی۔اس کے علاوہ ساتھ ہی اسرائیل کا اردن کے دریا کے مغربی کنارے پر قبضہ موجود ہے اس پر کوئی Sanctions نہیں لگائی گئیں اور جس قسم کے مظالم اسرائیل نے فلسطینیوں پر توڑے ہیں۔ان کے ذکر میں کوئی آواز اس کے خلاف بلند نہیں کی گئی۔اگر وہی دلیل جو آج عراق کے خلاف دی جارہی ہے وہاں بھی چسپاں کی جاتی تو آج سے بہت پہلے یہ مسئلہ حل ہو چکا ہوتا۔

پھر جب آپ امریکہ کی تازہ تاریخ پر غور کرتے ہیں تو خود امریکن مصنفین کی لکھی ہوئی تاریخوں سے اور بعض اعداد و شمار پر مشتمل کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ نے C.I.A کے ذریعے آج کے زمانے میں تمام دنیا کے مختلف ممالک میں حسب ضرورت دخل دیا ہے اور Terrorism سے باز نہیں رہے۔کسی قسم کی ظالمانہ کارروائیوں سے باز نہیں رہے اور وہاں اپنا حق سمجھا ہے کہ ہم جو چاہیں وہ کریں ۔ابھی حال ہی میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے Secret Wars of President ”یا President Secret Wars Covert Operation“ یعنی امریکہ کے پریذیڈنٹ کی خفیہ جنگیں اور اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ Covert Operation یعنی مخفی کارروائیوں کی اصطلاح کے نیچے ہر قسم کے ظلم وستم کی اجازت تھی۔جو چاہو کرو جس کو چاہو قتل کراؤ جہاں چاہو پانیوں میں زہر ملا دو،خوراک کو گندا کر دو،عام بنی نوع انسانی کے قتل عام سے بھی پرہیز نہ کرو۔جو چاہو کرو مگر مخفی طریق پر ہو اور Deniability کی طاقت موجود رہے یعنی یہ بھی ایک نئی اصطلاح ہے،بڑی دلچسپ Deniability کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے پریذیڈنٹ صاحب باوجود اس کے کہ عملاً ہر چیز کی اجازت دے رہے ہوں لیکن ان کے لئے یہ گنجائش باقی رکھی جائے کہ جب بعض باتوں کا علم ہو اور ان سے سوال کیا جائے کہ بتائیے کیا آپ کے حکم پر ایسا ہوا تھا تو وہ کہیں بالکل نہیں۔میرے حکم پر ایسا نہیں ہوا اور میں تحقیق کراؤں گا۔اس

کا نام ہے Deniability تو جو Terrorism یہ مسلمان ملکوں کی طرف منسوب کرتے ہیں اس سے ہزار گنا زیادہ Terrorism اسرائیل تو الگ رہا خود امریکہ نے کیا ہوا ہے اور کر رہا ہے ۔ آج بھی C.I.A اسی طرح مصروف عمل ہے کہیں فوجی انقلابات برپا کئے جا رہے ہیں ۔ کہیں ویٹنام اور کوریا میں یا لاؤس میں یا گوئٹے مالا میں یا ایران میں جوان کی کارروائیاں ہوئی ہیں آپ اس کتاب میں پڑھ کر دیکھیں تو آپ حیران رہ جائیں گے ۔ وہ کتاب کسی مخالف کی نہیں بلکہ خود ایک امریکن مصنف کی ہے جس نے اور بھی اچھی کتابیں اس موضوع پر لکھی ہیں اور مستند کتابیں ہیں تو اب بتایئے وہ اصول کہاں گئے ۔

فرق صرف یہ ہے کہ مسلمان ممالک بدقسمتی سے سادگی سے کام لیتے ہیں اور سادگی بھی اتنی جو بے وقوفی کی حد تک سادگی ہے ۔ ڈپلومیسی کی زبان نہیں جانتے ۔ بجائے اس کے کہ وہ بھی کہیں کہ ہم Covert Operations کر رہے ہیں یعنی مخفی آپریشنز کر رہے ہیں کھل کر کہتے ہیں ہم تم سے انتقام لیں گے اے رشدی! ہم تمہیں قتل کر دیں گے ۔ اے فلاں! اسلام اجازت نہیں دیتا کہ تم سے حسن سلوک کیا جائے ۔ جس طرح چاہیں ہم تمہیں برباد کریں گے ۔ ہاتھ میں کچھ ہوتا نہیں، ہتھیار ان لوگوں سے مانگتے ہیں، بناء اپنی ان قوموں پر ہے جن کے خلاف یہ بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں اور اسی بنا کو اکھیڑنے کی دھمکیاں دے رہے ہوتے ہیں جس پر بیٹھے ہوئے ہیں ۔ اسی بنیاد کو اکھیڑنے کی دھمکیاں دے رہے ہوتے ہیں جس پر انہوں نے اپنی عمارتیں تعمیر کی ہوئی ہیں ۔ محض بے وقوفی ہے، اور صرف بے وقوفی نہیں بلکہ ظلم یہ ہے کہ یہ ساری چیزیں اسلام کی طرف منسوب کر کے کرتے ہیں اور اسلام سے سچی محبت کرنے والوں سے ساری دنیا میں مصیبتیں کھڑی کر دیتے ہیں ۔ ایک طرف یہ قومیں مظالم کرتی چلی جاتی ہیں، دنیا کے ساتھ جو چاہیں سلوک کریں جہاں چاہیں اپنی حکومت چلائیں ۔ جس ملک کے باشندوں کو جہاں چاہیں ملیا میٹ کر دیں نیست و نابود کر دیں، صفحہ ہستی سے مٹا ڈالیں لیکن زبان ایسی ہونی چاہئے، اصطلاحیں ایسی ہونی چاہئیں جن کے پردے میں ہر قسم کی کارروائی کی اجازت ہے اور وہ جن کو کچھ کرنے کی طاقت ہی نہیں ہے وہ نہایت احمقانہ زبان استعمال کر کے خود اپنا منہ بھی کالا کرتے ہیں اور اسلام کے اوپر بھی داغ ڈالتے ہیں ۔ تو ایک میرا پیغام تو عالم اسلام کو یہ ہے کہ ہوش کرو عقل سے کام لو جن قوموں سے لڑنا ہے ان سے لڑنے کے انداز ہی سیکھ لو وہ زبان ہی اختیار کر لو جو زبان تمہارے متعلق یا دوسری قوموں کے خلاف وہ استعمال کرتے ہیں ۔ بہر حال یہ تو ایک ضمنی بات تھی ۔

اب میں ایک تیسرے حصے کی طرف آتا ہوں ۔ عراقی موقف اور مغربی موقف میں نے بیان کیا دوسرے مسلمان ممالک نے بھی ایک موقف اختیار کیا ہے اور اکثریت نے سعودی عرب کے اس موقف کا ساتھ دیا ہے کہ اس موقعہ پر ضروری ہے کہ سب مسلمان ممالک مل کر یا زیادہ سے زیادہ تعداد میں مسلمان ممالک مل کر عراق کو مٹانے کا تہیہ کریں اور اس کوشش میں اکٹھے ہو جائیں لیکن صرف یہیں تک بات نہیں رہتی ۔ اس سے آگے بڑھ کر یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ یہ ارض حجاز مقدس زمین ہے اور مکہ اور مدینہ کی مقدس بستیاں یہاں موجود ہیں ۔ آج صرف کویت کا مسئلہ نہیں ہے آج مسئلہ ان بستیوں کی حفاظت کا مسئلہ ہے ۔ ان بستیوں کے تقدس کی حفاظت کا مسئلہ ہے ۔ جن میں کبھی حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ سانس لیا کرتے تھے ۔ وہاں آپؐ کے قدم پڑا کرتے تھے ۔ پس اسے بہت ہی تقدس کا رنگ دے کر عام مسلمانوں کے جذبات کو ابھارا جاتا ہے ۔ چنانچہ پاکستان کی طرف سے بار بار اسی قسم کے اعلان ہوئے ہیں کہ اب ہم نے ارض مقدس کی حفاظت کے لئے دو ہزار سپاہی بھجوا دیئے ، تین ہزار سپاہی بھجوا دیئے ، پانچ ہزار سپاہی بھجوا دیئے اور ارض مقدس کے نام پر ہم یہ عظیم قربانی کر رہے ہیں ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس ارض کی اپنی تاریخ کیا ہے؟ اور وہ لوگ جو ارض مقدس کا نام لے کر اور محمد مصطفی ﷺ کے تقدس کے حوالے دے کر مسلمانوں کی رائے عامہ کو اپنے حق میں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ، ان کا اپنا کیا کردار رہا ہے؟

امر واقعہ یہ ہے کہ سعودیوں نے یعنی اس خاندان نے سب سے پہلے خود ارض حجاز پر بزور شمشیر قبضہ کیا تھا اور ۱۸۰۱ء میں سب سے پہلے یہ فوجی مہم شروع کی گئی اور اس خاندان کے جو سربراہ تھے ان کا نام عبدالعزیز تھا ۔ لیکن عبدالعزیز کے بیٹے سعود تھے جو دراصل بڑی بڑی فوجی کارروائیوں میں بہت شہرت اختیار کر گئے اور بڑی مہارت رکھتے تھے ۔ چنانچہ ان کی سربراہی میں ان حملوں کا آغاز ہوا ۔ سب سے پہلے انہوں نے عراق میں پیش قدمی کی اور کربلائے معلیٰ پر قبضہ کیا وہاں کے تمام مقدس مزاروں کو ملیا میٹ کر دیا یہ موقف پیش کرتے ہوئے کہ یہ سب شرک کی باتیں ہیں اور ان میں کوئی تقدس نہیں ہے ، اینٹ پتھر کی چیزیں ہیں ۔ ان کو مٹا دینا چاہئے اور پھر کربلائے معلیٰ میں بسنے والے مسلمانوں کا جو اکثر شیعہ تھے ، قتل عام کیا اور پھر بصرہ کی طرف پیش قدمی کی اور کربلائے معلیٰ سے لے کر بصرہ تک کے تقریباً تمام علاقے کو تاخت و تاراج کر کے وہاں شہروں کو آگیں لگا دی گئیں

قتل عام کئے گئے، لوٹ مار کی گئی۔ ہر قسم کے مظالم جو آج عراق کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں ان سے بہت بڑھ کر، بہت زیادہ وسیع علاقے میں اسی خاندان نے عراق کے علاقے میں کئے، لیکن وہاں سے طاقت پکڑنے کے بعد پھر ارض مقدس کی طرف رخ کیا اور طائف پر قبضہ کرلیا ارض حجاز میں اور ۱۹۰۳ء میں یہ مکہ اور مدینہ میں داخل ہوگئے اور مکہ اور مدینہ میں داخل ہونے کے بعد وہاں قتل عام کیا گیا اور بہت سے مزار گرادیئے گئے اور بہت سی مقدس نشانیاں اور مقامات مثلاً حضرت محمد ﷺ کا مولد، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مولد وغیرہ اس قسم کے بہت سے مقدس حجرے اور مقامات تھے جن کو یا تو منہدم کر دیا گیا یا ان کی شدید گستاخی کی گئی اور یہ ظاہر کیا گیا کہ اسلام میں ان ظاہری چیزوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے یہ سب شرک ہے اور جو خون خرابہ ہوا ہے اس کا کوئی معین ریکارڈ نہیں لیکن تاریخیں یہ لکھتی ہیں کہ بالکل نہتے اور بے ضرر اور مقابلے میں نہ آنے والے شہریوں کا بھی قتل عام بڑی بے دردی سے کیا گیا ہے۔

۱۸۱۳ء میں شریفان مکہ نے پھر اس علاقے کو سعودیوں سے خالی کروالیا اور پھر بیسویں صدی کے آغاز میں دوبارہ سعودیوں نے ارض حجاز پر یلغار کی اور اس دفعہ انگریزوں کی پوری طاقت ان کے ساتھ تھی۔ انگریزی جرنیل باقاعدہ ان کی پیش قدمی کی سکیمیں بتاتے تھے اور انگریز ہی ان کو اسلحہ اور بندوقیں مہیا کرتے تھے اور انگریز ہی روپیہ پیسہ مہیا کرتے تھے۔ اور باقاعدہ ان کے ساتھ معاہدے ہو چکے تھے چنانچہ ۱۹۲۴ء میں دوبارہ سعودی خاندان ارض حجاز پر قابض ہوا اور اس قبضے کے دوران بھی بہت زیادہ مقدس مقامات کی بے حرمتی کی گئی اور قتل عام ہوا ہے۔ ۱۹۲۴ء میں انگریزوں کی تائید سے چونکہ یہ داخل ہوئے تھے اس لئے حال ہی میں جو BBC نے Documentry دکھائی اس میں ۲۴ء سے پہلے کی بھی انگریزی تائید کا ذکر کرتے ہوئے BBC کے پروگرام پیش کرنے والے نے یہ موقف لیا کہ جس ملک پر سعودیوں نے ہماری تائید سے اور ہماری قوت سے قبضہ کیا تھا اب اس ملک کے دفاع کے لئے ہم پر ہی انحصار کرنے پر مجبور ہیں۔

پس اس نقطہ نگاہ سے اگر دیکھا جائے تو بات بالکل اور شکل میں دکھائی دینے لگتی ہے۔ جو بھی حکومت اس وقت مقامات مقدسہ پر قابض ہے وہ انگریز کی طاقت سے قابض ہوئی تھی یا مغربی قوموں کی طاقت سے قابض ہوئی تھی۔ اور اب دفاع کے لئے بھی ان میں یہ استطاعت نہیں ہے کہ

ان مقامات کا دفاع کر سکیں اور مجبور ہیں کہ ان قوموں کو واپس اپنی مدد کے لئے بلائیں۔اب انگریز کا تصور اس طرح کا نہیں جو اس سے پہلے کا تھا۔تمام دنیا پر انگریز کی ایک قسم کی حکومت تھی۔اب انگریز اور امریکہ ایک دوسرے کے ساتھ مدغم ہو چکے ہیں۔ان کے تصورات یکجا ہو چکے ہیں اور عملاً جو امریکہ ہے وہ انگریز ہے اور جو انگریز ہے وہ امریکہ ہے۔یعنی جو انگلستان ہے وہ امریکہ ہے اور جو امریکہ ہے وہ انگلستان ہے۔تو اس پہلو سے انگریز نے اپنی تاریخ کا ورثہ امریکہ کے سپرد کیا ہوا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس دور میں ان کے فیصلے ہمیشہ ایک ہوا کرتے ہیں۔یورپ اس سے کچھ مختلف ہے لیکن اس تفصیل میں جانے کی بہر حال ضرورت نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ بنتا ہے کہ ارض مقدس اور مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے احترام کی باتیں کرتے ہوئے جو عالم اسلام کو ان مقدس مقامات کے دفاع کے لئے اکٹھا کیا جا رہا ہے یہ سب محض ایک دھوکہ ہے۔ان مقدس مقامات کی حفاظت کے ساتھ دوسرے مسلمان ممالک کی فوجی شمولیت کا کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔نہ ان کی ضرورت ہے نہ اس کا کوئی تعلق ہے نہ فی الحقیقت کوئی خطرہ لاحق ہے۔اگر ان علاقوں کو خطرہ لاحق ہے تو غیر مسلموں سے لاحق ہو سکتا ہے۔مسلمانوں سے اگر خطرہ لاحق ہو سکتا تھا تو وہ خطرہ تو خود سعودیوں سے لاحق ہو چکا ہے اور اس خطرے میں جب تک انہوں نے غیر مسلموں کی مدد نہیں لی اس وقت تک ان علاقوں پر قبضہ نہیں کر سکے۔پس امر واقعہ یہی ہے کہ اب ان علاقوں کا دفاع بھی غیر مسلموں کے سپرد ہی ہوا ہے اور مسلمان ریاستیں شامل ہوں یا نہ ہوں اس دفاع سے اس کا کوئی تعلق نہیں یعنی اس امکانی دفاع سے دفاع کا تو ابھی سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔امکان ہے۔لیکن اگر آپ دیانتداری سے غور کریں تو اس بات کا کوئی احتمال ہی نہیں ہے کہ عراق سعودی عرب پر حملہ کر دے۔عراق کے پاس تو اتنی طاقت بھی نہیں کہ وہ ان بڑی بڑی طاقتوں کے اجتماعی حملے سے اپنے آپ کو بچا سکے اور سب دنیا تعجب میں ہے کہ یہ غیر متوازن حالت دیکھتے ہوئے صدر صدام حسین کس طرح یہ جرأت کر سکتے ہیں کہ بار بار امن کی ہر کوشش کو رد کرتے چلے جاتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اس عظیم دباؤ کے نتیجہ میں وہ اس طرح پیسے جائیں گے جس طرح چکی کے اندر دانے پیسے جاتے ہیں اور ناممکن ہے کہ اتنی بڑی قوموں کی اجتماعی طاقت کے مقابل پر عراق کویت کا یا اپنے ملک کا دفاع کر سکے۔جو عالمی فوجی ماہرین ہیں یہ ان کی رائے ہے اور سب متعجب ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔آخر صدر صدام حسین کے

پاس وہ کیا بات ہے، کیا چیز ہے جس کی وجہ سے وہ صلح کی ہر کوشش کو رد کرتا چلا جا رہا ہے۔

تو امر واقعہ یہ ہے کہ ساری طاقتیں مغربی طاقتیں ہیں جنہوں نے اس علاقے میں کوئی کارروائی یا مؤثر کارروائی کرنی ہے یا کر سکتی ہیں۔ مسلمان ممالک کو اور وجہ سے ساتھ ملایا گیا ہے اور اس وجہ کا مقامات مقدسہ کے تقدس سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں صرف مسلمان ممالک کو ہی ٹوکن کے طور پر شامل نہیں کیا گیا، یورپ کے دوسرے ممالک کو بھی ٹوکن کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔ جاپان پر بھی بڑا بھاری دباؤ ڈالا گیا کہ تم شامل ہو جاؤ اور اس طرح دنیا کی مشرق و مغرب کی دوسری قوموں کو بھی ساتھ شامل کرنے کی کوشش کی گئی اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کی ضرورت تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دنیا کے سامنے یہ قضیہ اس طرح پیش کیا جائے کہ ساری دنیا کی رائے عامہ اس ظالم کے خلاف ہے۔ اس لئے ساری دنیا کی اس رائے عامہ کے احترام میں ہم شدید ترین کاروائی بھی کریں اس کے اوپر حرف نہ آسکے۔ اگر عراق کے خلاف انتہائی ظالمانہ کارروائی کی جائے اور پاکستان بھی اس کارروائی میں حصہ ڈال کر شریک ہوا بیٹھا ہو اور مصر بھی شریک ہوا ہو اور ترکی بھی شریک ہو چکا ہو اور دیگر مسلمان ممالک بھی شریک ہو چکے ہوں تو وہ پلٹ کر کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ تو نے بڑا بھاری ظلم کیا ہے۔

پس آئندہ ان مظالم پر نکتہ چینی کے دفاع کے طور پر کہ دنیا ان پر نکتہ چینی نہ کر سکے جن کے منصوبے یہ پہلے سے بنائے بیٹھے ہیں اتنا بڑا ہنگامہ برپا کیا گیا ہے اور اس طرح رائے عامہ کو اکٹھا کیا گیا ہے۔ اور ملکوں کو مجبور کیا گیا ہے کہ تم بھی اس ظلم میں حصہ ڈالو خواہ تم آرام سے ایک طرف بیٹھے رہنا چنانچہ بعض مسلمان ممالک جنہوں نے فوجیں بھیجی ہیں وہ کھل کر یہ کہہ رہے ہیں کہ بھئی ہم حملے میں تو شامل نہیں ہوں گے ہم تو صرف مقامات مقدسہ کی حفاظت کی خاطر مکے اور مدینے میں جا کے بیٹھیں گے۔ چنانچہ پاکستان نے بھی ایسا ہی جاہلانہ سا ایک اعلان کیا ہے یعنی مکے اور مدینے تک جو فوج پہنچ جائے گی اور تمام عالمی طاقتوں کو ملیا میٹ کرتے ہوئے پہنچے گی اس فوج سے بچانے کے لئے تم باقی رہ جاؤ گے۔ کیسا بچگانہ خیال ہے۔ دراصل ان کو یہ بتایا گیا ہے کہ تمہیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں تم آؤ امن کے ساتھ ہماری گود میں بیٹھو۔ ہماری حفاظت میں رہو۔ ہم صرف تمہارا نام چاہتے ہیں اور تمہاری شرکت کا نام چاہتے ہیں۔ اس لئے تم شریک بن جاؤ اور یہی ہمارے لئے کافی ہے۔ پس یہ ایک بہت بڑا خوفناک عالمی منصوبہ ہے اور اس منصوبے کو دنیا کے سامنے حسین طریق پر

دھوکے کے ساتھ پیش کرنے کے یہ سارے ذرائع ہیں جو اختیار کئے جارہے ہیں۔

اب پھر سوال اٹھتا ہے کہ صدر صدام حسین کیوں اس سیدھی سادھی کھلی ہوئی حقیقت کو جان نہیں سکتے، پہچان نہیں رہے اور کیوں مصر ہیں کہ نہیں، ان شرائط پر میں کویت کو خالی کرنے کیلئے تیار نہیں۔ میں اور باتوں کے علاوہ یہ سمجھتا ہوں کہ صرف کویت کو خالی کرنا مقصود نہیں ہے۔ یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ ہر حالت میں عراق کو نہتہ کر دیا جائے گا اور بے طاقت بنا دیا جائے گا اور کویت سے نکلنا پہلا قدم ہے۔ اسی لئے اس کے بعد صرف یہ کہتے ہیں کہ ہم عراق پر حملہ نہیں کریں گے۔

یہ ساتھ نہیں کہتے کہ ہم عالمی بائیکاٹ ختم کر دیں گے۔ اقتصادی بائیکاٹ ختم کر دیں گے۔ یہ نہیں کہتے کہ ہم مزید دباؤ ڈال کر تمہارے کیمیائی کارخانے جو جنگوں میں ہلاکت خیز کیمیاوی مادے بنانے کے لئے استعمال ہوتے ہیں ان کو برباد نہیں کریں گے یا ان میں دخل نہیں دیں گے۔ یہ نہیں کہتے کہ ہم تمہاری ایٹمی توانائی کے مراکز کو ختم کرنے کے لئے تم سے مزید مطالبے نہیں کریں گے اور مزید دباؤ نہیں ڈالیں گے لیکن یہ نہ کہنے کے باوجود دبی زبان سے یہ اظہار جگہ جگہ ہو جاتا ہے کہ اس کے بعد کچھ کرنا ضرور ہے اور عراق خوب اچھی طرح سمجھتا ہے۔ عراق جانتا ہے کہ محض کویت کا مسئلہ نہیں ہے۔ اگر میں کویت خالی بھی کر دوں تو جن مقاصد کی خاطر یہ کویت کی حمایت کر رہے ہیں وہ مقاصد پورے نہیں ہو سکتے جب تک مجھے بالکل ناطاقت کر کے نہ چھوڑا جائے۔ پس عملاً صدر صدام کے پاس دو راہیں نہیں بلکہ ایک ہی راہ ہے اور وہ راہ یہ ہے کہ اگر انہوں نے اپنے بدارادے پورے کرنے ہی ہیں تو پھر اس حالت میں مرا جائے کہ مرتے مرتے ان کو بھی اتنا نقصان پہنچا دیا جائے کہ ہمیشہ کے لئے لولوں لنگڑوں کی طرح رہیں اور پھر پہلے جیسی طاقت اور پہلے جیسا تکبر باقی نہ رہے۔ پس جہاں تک میں سمجھتا ہوں صدر صدام حسین اس وجہ سے بضد ہیں کہ تمہاری شرائط پر میں کویت خالی نہیں کروں گا۔ ہوسکتا ہے کہ اب Perez De Cuellar اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل جو وہاں جارہے ہیں ان کے ساتھ گفت وشنید کے دوران کچھ باتیں کھل کر سامنے آئیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ اگر Perez De Cuellar کی طرف سے ایسی گفت وشنید کا آغاز ہو جائے جس کے نتیجے میں بالآخر عراق کو یہ تحفظ دیا جائے اور یونائیٹڈ نیشنز کی طرف سے اس بات کی ضمانت دی جائے کہ اگر تم کویت کو خالی کر دو تو اول تمام عرب مسئلے کو یکجائی صورت میں دیکھا جائے گا

اور United Nations اس کی طرف متوجہ ہوگی اور دوسرے یہ کہ اس کے بعد تمہارے ساتھ کسی قسم کی کوئی زیادتی نہیں ہوگی اور عالمی بائیکاٹ کو اٹھا دیا جائے گا اور تمہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اگر یہ دو شرطیں ان کھلے الفاظ میں عراق کے سامنے رکھی جائیں تو میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ ان شرطوں پر عراق صلح کرنے پر آمادہ ہوگا لیکن خطرہ مجھے یہ ہے کہ یہی دو شرطیں ہیں جو سب سے زیادہ ان ممالک کے مزاج کے خلاف ہیں جن ممالک نے اس قصے پر ساری دنیا میں ایک طوفان اٹھا رکھا ہے۔ یہی وہ دو باتیں ہیں جو کسی قیمت پر ان کو قبول نہیں ہیں۔ اگر عراق کی فوجی طاقت کو مٹا دینا ان کے پیش نظر نہ ہوتا، اگر اسرائیل کا تحفظ ان کے پیش نظر نہ ہوتا تو کویت پر قبضے کے نتیجے میں انہوں نے کبھی بھی شور نہیں ڈالنا تھا۔ کویت کی کوئی بھی حیثیت نہیں ہے۔ یہ دو بڑے مقاصد ہیں جن کی خاطر یہ سارا ہنگامہ کھڑا کیا گیا ہے اور کیسے یہ شرطیں مان جائیں گے جن سے خود یہ اپنے دو مقاصد کے اوپر تبر رکھ دیں اور ان مقاصد کو خائب و خاسر کر دیں اور نامراد کر دیں۔

پس یہ ہے آخری خلاصہ صورت حال کا۔ جماعت احمدیہ کو میں متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ جیسا کہ میں نے شروع میں بات کھول کر بیان کی ہے ہم قومی اختلافات یا مذہبی اختلافات کے نتیجے میں بھی کسی تعصب کو اپنے دل میں جگہ نہیں دے سکتے اور کسی تعصب کی بناء پر ہم فیصلے نہیں کر سکتے کیونکہ ہم دل و جان سے اس بات کے قائل ہیں کہ ہر وہ شخص جو تعصب کو اپنے دل میں جگہ دے یا تعصّبات کے نتیجے میں فیصلے کرے وہ صحیح معنوں میں مومن اور مسلم کہلانے کا مستحق نہیں رہتا۔ تعصّبات اور اسلام کو ایسا ہی بُعد ہے جیسے شرق و غرب کو آپس میں بعد ہے اور حقیقی اسلام کا تقاضا یہی ہے کہ ہر فیصلہ خدا کی ذات کو پیش نظر رکھ کر کیا جائے اور اسی کا نام تقویٰ ہے۔ تقویٰ ہر چیز کی بنیاد ہے ہر اسلامی قدر تقویٰ پر مبنی ہے اور تقویٰ کا حسن یہ ہے کہ تقویٰ خود اپنی ذات میں کسی مذہب کی اجارہ داری نہیں بلکہ تقویٰ ایک ایسی چیز ہے جو ہر مذہب کا مرکزی نقطہ ہونا چاہئے اور ہر مذہب کی تعلیم کو اس مرکزی نقطے کے گرد گھومنا چاہئے۔ تقویٰ کا مطلب ہے ہر سوچ خدا کی مرضی کے تابع کر دو اور ہر فیصلہ کرنے سے پہلے یہ دیکھو کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔

پس جماعت احمدیہ سے میں توقع رکھتا ہوں کہ تقویٰ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اول تو تمام بنی نوع انسان کے لئے دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو تقویٰ سے عاری فیصلوں کے نتیجے میں

ان عذابوں میں مبتلا نہ فرمائے جو عام طور پر ایسے حالات میں مقدر ہو جایا کرتے ہیں بلکہ غیر معمولی طور پر ان کے دلوں پر تسلط فرمائے اور ان کو توبہ کرنے کی توفیق بخشے اور اصلاح احوال کی توفیق بخشے اور سچائی کی طرف لوٹ آنے کی توفیق بخشے۔کل عالم کے لئے یہ دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کو امن عطا کرے اور امن سے مراد صرف ظاہری امن نہیں بلکہ امن سے مراد دل اور دماغ کا امن ہے کیونکہ میں قطعی طور پر اس بات کو ایک ٹھوس حقیقت کی طرح دیکھ رہا ہوں کہ دنیا کا امن دل اور دماغ کے امن پر منحصر ہے وہ بنی نوع انسان جن کے دل امن میں نہ ہوں، جن کے دماغ امن میں نہ ہوں ان کا عالمی ماحول امن میں نہیں رہ سکتا۔یا ان سے دنیا کو خطرہ ہوگا یا دنیا سے ان کو خطرہ ہوگا۔پس دماغ کے خلل اور دل کے خلل کے نتیجے میں بیرونی خلل واقعہ ہوا کرتے ہیں ۔پس یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی سوچوں کی اصلاح فرمادے۔ان کے دلوں کی اصلاح فرمادے۔ان کے معاشرے کی اصلاح فرمادے اور ان کے دل اور دماغ کو امن عطا کرے۔تا کہ بنی نوع انسان کو بحیثیت مجموعی امن نصیب ہو۔

اس موجودہ تعلق میں خصوصیت کے ساتھ یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مسلمان ممالک کو اب بھی عقل دے اور وہ اس ظلم میں غیر مسلم قوموں کے شریک نہ بنیں کہ ان کے اعلیٰ مقاصد کی خاطر جو ان کے مفادات سے تعلق رکھتے ہیں ایک عظیم مسلمان طاقت کو ملیا میٹ کر دیں اور اپنے اپنے انگوٹھے اس فیصلے پر ثبت کر دیں اور تاریخ عالم میں ہمیشہ کے لئے ایک ایسی قوم کے طور پر لکھے جائیں جنہوں نے اپنی زندگی کے نہایت منحوس فیصلے کئے تھے۔ایسے فیصلے کئے تھے جو بدترین سیاہی سے لکھے جانے کے لائق بنتے ہیں۔جس کے نتیجے میں دنیا کے اندر ایسے تغیرات برپا ہونے ہیں اور آئندہ لکھنے والا لکھے گا کہ ہو چکے کہ ان فیصلوں کے بعد پھر دنیا کا امن ہمیشہ کے لئے اٹھ گیا اور امن کے نام پر جو جنگ لڑی گئی تھی اس نے اور جنگوں کو جنم دیا اور ساری دنیا میں بدامنی پھیلتی چلی گئی۔مؤرخ نے یہ باتیں جو بعد میں لکھنی ہیں یہ آج ہمیں دکھائی دے رہی ہیں کہ کل ہونے والی ہیں اگر مسلمان ممالک نے ہوش نہ کی اور بروقت اپنے غلط اقدامات کو واپس نہ لیا اور اپنی سوچوں کی اصلاح نہ کی۔بہر حال اگر یہ انہی باتوں پر قائم رہے تو عراق مٹتا ہے یا نہیں مٹتا۔**یہ تو کل دیکھنے کی بات ہے مگر اس سارے علاقے کا امن ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گا۔کبھی دوبارہ عرب اس حال کو واپس نہیں لوٹ سکیں گے۔**اسرائیل پہلے سے بڑھ کر طاقت بن کر ابھرے گا اور اسرائیل کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کے متعلق کوئی عرب طاقت

سوچ بھی نہیں سکے گی ۔کم سے کم ایک لمبے عرصے تک اور اس کے نتیجے میں تمام دنیا میں شدید مالی بحران پیدا ہوں گے اور چونکہ آج کل دنیا کے ترقی یافتہ ممالک خود مالی بحران کا شکار ہیں اس لئے تیسری دنیا کے مالی بحران کے نتیجے میں ایسے سیاسی اثرات پیدا ہوں گے کہ اور جنگیں چھڑیں گی اور دنیا کا امن دن بدن برباد ہوتا چلا جائے گا۔مختصراً یہ کچھ ہے جو آئندہ پیش آنے والا ہے ۔اگر آج مسلمان ممالک نے اصلاح احوال نہ کی۔

مغربی مفکرین بار بار یہ بات دہراتے چلے جا رہے ہیں کہ اب Ball عراق کی کورٹ میں ہے اور صدر صدام کے ہاتھ میں ہے،اس بال کو کس طرف ہٹ لگائے جنگ کی طرف یا امن کی طرف حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے صدر صدام کے ہاتھ آپ لوگوں نے اس طرح باندھ رکھے ہیں اور اس معاملے کو اس طرح اٹھایا ہے کہ اس کے لئے اب حقیقت میں کوئی دوراہے پر کھڑے ہونے والا معاملہ نہیں ہے بلکہ ایک ہی راہ پر کھڑا ہے جس میں آگے بڑھے تو تب بھی ہلاکت ہے پیچھے ہٹے تو تب بھی ہلاکت ہے آگے بڑھے تو ہلاکت اس رنگ میں ہوگی کی اچانک تیز ہلاکت لیکن ساتھ دشمن بھی بہت حد تک شدید نقصان اٹھائے گا۔ پیچھے ہٹے تو دم گھونٹ کر مارا جائے گا۔اس لئے صدر صدام حسین کو تو آپ نے دوراہے پر لا کھڑا نہیں کیا۔ بلکہ دوسری راہ اس سے منقطع کر دی ہے ۔اگر باعزت سمجھنے کی کوئی راہ اس کے سامنے کھولی ہوتی تو پھر وہ یہ فیصلہ کر سکتا کہ جنگ کی راہ اختیار کروں یا امن کی راہ اختیار کروں ۔اب تو فیصلہ یہی ہے کہ ایک دم مر مٹنے کی راہ اختیار کروں اور عزت کے ساتھ مر جانے کی راہ اختیار کروں یا ذلت کے ساتھ دم گھونٹ کر مارا جاؤں۔

ہاں Ball جو ہے دراصل صدر صدام حسین کی کورٹ میں نہیں ہے ۔وہ مسلمان ممالک کی کورٹ میں ہے ۔اگر مسلمان ممالک اس صورت حال کو صحیح سمجھ سکیں اور آج نہ سہی کل کے مورخ کے قلم سے بچنے کے لئے اور تاریخ جو ان پر تعزیر لگائے گی اس سے بچنے کی خاطر ہی سہی اگر وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں اور یہ اعلان کر دیں کہ عراق سے نپٹنا ہوگا تو ہم نپٹیں گے ۔مغربی طاقتیں ہمارے ممالک کو خالی کر دیں اور اگر کوئی مدد کرنی ہے تو ہتھیاروں کے ذریعہ جس طرح پہلے بھی مدد کی جاتی ہے ۔عراق کی بھی مدد کرتے رہے ہو اس طرح ہماری مدد کرو اور اس معاملے کو ہمارے حال پر چھوڑ دو ہم اس سے خود نپٹیں گے ۔اگر آج یہ اعلان کر دیں تو مغربی طاقتوں کے پاس کوئی بھی عذر باقی نہیں

رہتا کہ وہ زبردستی عراق پر حملہ کریں اور اگر پھر بھی وہ کریں تو پھر یہ بات اتنی آسان نہیں رہے گی تمام عرب میں اور تمام عالم اسلام میں مغربی ممالک کے خلاف بغاوت شروع ہو جائے گی۔ پس یہ اصل صورتحال ہے۔ دعا یہ کریں کہ مسلمان ممالک کو اللہ تعالیٰ عقل عطا فرمائے۔ صحیح سوچ اختیار کرنے کی توفیق بخشے اور جرأت مندانہ ایسا فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس کے نتیجے میں غیر قوموں کو عالم اسلام میں دخل اندازی کا بہانہ نہ رہے۔ لیکن یہ بھی مجھے نظر نہیں آرہا اور جس حد تک یہ لوگ آگے بڑھ چکے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اس کی بنا بڑی شدید قسم کی خود غرضی ہے جس کی وجہ سے اسلام تو محض دور کی بات ہے عرب تعلقات بھی ان کی سوچ کی راہ میں بالکل حائل نہیں ہو رہے اور اپنی ہمسائیگی کا بھی قطعاً کوئی خیال نہیں اور یہ خطرہ بھی نہیں کہ عرب دنیا پر کیا گزرے گی۔ یہ ساری چیزیں دور کی باتیں ہیں۔ بنیادی طور پر اپنے ذاتی مفاد کا جو تقاضا ہے وہ ہر دوسری فکر پر غالب آچکا ہے۔ اگر آپ نے غور کیا ہو تو آپ یہ معلوم کر کے حیران ہوں گے کہ ۱۵ر جنوری کی تاریخ پر آخر اتنا زور کیوں دیا جا رہا ہے۔ ۱۵ر جنوری کوئی خدا نے تاریخ مقرر فرمائی ہے؟ یہ ہو کیا رہا ہے؟ چند مہینے پہلے تم کہہ رہے تھے کہ Sanctions لگائی گئی ہیں ایک سال کے اندر اندر Sanctions کام کریں گی اور یقیناً کریں گی چھ مہینے تک ہو سکتا ہے پورے نتیجے ظاہر نہ ہوں۔ اس قسم کی کھلی کھلی باتیں امریکہ کیا کرتا تھا اور دوسرے مغربی مفکرین بھی ایسے ہی تخمینے پیش کرتے تھے۔ اب اچانک یہ کیا ہو گیا ہے کہ اگرچہ ان Sanctions نے کام شروع کیا اور اس کی تکلیف بھی عراق کو پہنچی تو بجائے اس کے کہ انتظار کرو اور عراق کو اور کمزور ہونے دو اور اگر حملہ کرنا ہے تو اس وقت کرو۔ اب اتنی جلدی کس بات کی پڑ گئی ۱۵ر جنوری کی تاریخ کا کیا تعلق ہے۔

میں نے غور کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں اس کا تعلق سعودی عرب اور اس کے ساتھیوں کی خود غرضی سے ہے اس ساری جنگ کا بل تو سعودی عرب نے ادا کرنا ہے اور یہ سعودی عرب بے شمار امیر ہونے کے باوجود اندر سے سخت کنجوس ہے ان کو Billions کے جو بل ادا کرنے پڑ رہے ہیں انہوں نے حساب لگایا ہو گا کہ اگر Sanctions کا انتظار کیا جائے تو جب تک عراق کا صفایا ہو تا اس وقت تک ہمارا بھی صفایا ہو چکا ہو گا۔ ہمارے سارے بینک بیلنس ختم ہو چکے ہوں گے اس لئے ان کو بڑی سخت افراتفری پڑی ہے۔ اور یہ خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہ ہم تو اس عرصے میں کنگال ہو جائیں گے تو انہوں نے دباؤ ڈالا ہے اور امریکہ یہ بات کھل کر لوگوں کے سامنے پیش نہیں کر سکتا کہ کون ہم پر دباؤ

ڈال رہا ہے۔ صدر بش خود اپنے ملک میں ذلیل ہو رہا ہے کانگریس بار بار اس سے سوال کر رہی ہے کہ تم کل یہ باتیں کر رہے تھے Sanctions یوں چلیں گی اور یُوں چلیں گی اور ایک سال کا عرصہ گزرے گا اور عراق گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے گا۔ اب اچانک تم نے سارے فیصلے بدل دیئے اور لڑائی کے سوا بات ہی کوئی نہیں کرتا۔ اب صدر بش کس طرح کہے کہ بھئی ہم تو Mercenaries بنے ہوئے ہیں۔ ہم تو کرائے کے فوجی ہیں اور وہ ملک ہمیں حکم دے رہا ہے جس نے ہمیں کرائے پر رکھا ہوا ہے، وہ کہتا ہے کہ جلدی کرو میں اس سے زیادہ بل برداشت نہیں کرسکتا۔ تو اصل صورت حال یہ ہے۔

پس جب میں نے کہا کہ Ball اب مسلمان ممالک کی کورٹ میں ہے تو ایک تو عمومی نظریئے کے طور پر کہا، وہ میں نے آپ کے سامنے بیان کیا ہے۔ دراصل بنیادی بات یہ ہے کہ سعودی عرب کے ہاتھ میں فیصلہ ہے اور اس کے جو Mounting Bills ہیں، اس کے بڑھتے ہوئے جنگی اخراجات ہیں وہ اسے مجبور کر رہے ہیں کہ جلدی یہ فساد بیچ میں سے ختم ہو اور پھر ہم اصل صورت حال کی طرف واپس لوٹیں۔ مگر یہ بڑی بیوقوفی ہے ان کی جو یہ سوچ رہے ہیں کہ جلد اصل صورت حال کی طرف واپس لوٹیں۔ اصل صورت حال کا تو نام ونشان مٹ چکا ہوگا۔ اگر عراق مٹایا گیا تو اس کے ساتھ ماضی کی ساری کی ساری تاریخ ملیا میٹ کر دی جائے گی، عرب ممالک کے مزاج بدل چکے ہوں گے، عرب قوموں کی سوچیں بدل چکی ہوں گی اور نئے حالات میں نئے زمانے پیدا ہوں گے اور بیوقوفوں والی خوابیں دیکھنے والے یہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ جلد قضیئے سے نپٹیں اور اصل حالات کی طرف واپس لوٹیں کبھی بھی کسی اصل کی طرف واپس نہیں لوٹیں گے بلکہ تاریخ انہیں رگیدتی ہوئی آگے بڑھاتی چلی جائے گی اور آئندہ نہایت خطرناک قسم کے حالات ہیں جو ان کو درپیش ہوں گے اور ان سے یہ بچ نہیں سکیں گے۔ یہ تو تیز رفتار لہروں پر سوار ہو چکے ہیں۔ جیسے پہاڑی ندی نالے زیادہ تیز اترائی میں چلتے ہیں تو ان کے منہ سے جھاگیں نکلتی ہیں، ان کے اوپر مضبوط سے مضبوط کشتی یا جہاز بھی ہو تو تنکوں کی طرح اس سے یہ موجیں کھیلتی ہیں اور خاص طور پر جب یہ ندیاں آبشاروں کی صورت میں چٹانوں سے نیچے اترتی ہیں تو بڑی سے بڑی مضبوط چیزوں کے بھی پرخچے اڑا دیتی ہیں۔ پرزہ پرزہ کر ڈالتی ہیں۔ پس یہ زمانے کی طاقتور

لہریں ہیں جن پر یہ سوار ہو چکے ہیں اور ان سے واپسی اب ان کیلئے ممکن نہیں۔

صرف ایک راہ واپسی کی ہے کہ تقویٰ اختیار کریں۔ اپنے فیصلے خدا کو پیش نظر رکھ کر کریں۔ امت مسلمہ کا عمومی مفاد پیش نظر رکھیں اور اپنے ذاتی مفاد کو قربان کرنے پر تیار ہوں۔ اگر یہ ایسا کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ عالم اسلام کے لئے ایک نیا عظیم الشان دور رونما ہوگا۔ وہ بھی ایک نیا دور ہوگا جو پہلے جیسا نہیں ہوگا کیونکہ پہلے کی طرف تو اب کبھی واپس نہیں جاسکتے مگر ایک ایسا دور ہوگا جو گزشتہ ادوار سے ہزاروں گنا بہتر ہوگا اور بہتر ہوتا چلا جائے گا۔ پس میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو عقل دے گا اور اگر امید نہیں تو دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو غیر معمولی طور پر عقل عطا فرمائے اور احمدیوں کو متوجہ کرتا ہوں کہ ہم بہت کمزور ہیں لیکن ہم دعا کر سکتے، دعا کرنا جانتے ہیں، دعاؤں کے پھل ہم نے کھائے ہوئے ہیں اور کھاتے ہیں۔ پس جب نمازوں میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ کی دعا کیا کریں تو خصوصیت کے ساتھ موجودہ حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے خدا تعالیٰ سے یہ عرض کیا کریں کہ مکے اور مدینے کی بستیوں کا تقدس تو عبادت سے وابستہ ہے اور ہمیشہ عبادت سے وابستہ رہے گا۔ یہ بستیاں اس لئے مقدس ہیں کہ ان بستیوں میں ابراہیم علیہ السلام اور محمد مصطفی ﷺ نے عبادتیں کی ہیں۔ پس آج اس دنیا میں ان عبادتوں کو زندہ کرنے والے ہم تیرے عاجز غلام ہیں، اس شان کے ساتھ نہیں مگر جس حد تک بھی توفیق پاتے ہیں ہم ان عبادتوں کو اسی طرح زندہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، پس اے ہمارے معبود! ہماری عبادتوں کو قبول فرما اور ہماری مدد فرما اور آج اگر تو نے عبادت کرنے والوں کی مدد نہ کی تو دنیا سے عبادت اٹھ جائے گی اور دنیا سے عبادت کا ذوق اٹھ جائے گا۔ پس تو ہماری التجاؤں کو قبول فرما اِيَّاكَ نَعْبُدُ ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں، دنیا کی قوم کی طرف نہیں دیکھ رہے تیری طرف دیکھ رہے ہیں تیرے حضور جھک رہے ہیں تو مدد فرما۔ اگر ہماری یہ دعا قبول ہو جائے اور اگر دل کی گہرائیوں سے اٹھے اور تمام دنیا سے احمدی یہ دعائیں کر رہے ہوں تو ہرگز بعید نہیں کہ یہ دعا قبول ہو جائے تو پھر آپ

دیکھیں گے کہ انشاء اللہ تعالیٰ Ball کسی کی کورٹ میں نہیں رہے گا Ball تقدیر الٰہی کی کورٹ کی طرف واپس چلا جائے گا اور آپ کی دعائیں ہیں جن کا ہاتھ تقدیر الٰہی پر پڑتا ہے یا جن کا ہاتھ تقدیر الٰہی کے قدموں کو چھوتا ہے اور پھر تقدیر الٰہی آپ کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ رنگ بدلتی چلی جاتی ہے۔ اب دنیا کو یہ بدلتے ہوئے رنگ دکھا دیں اور دنیا کو بتا دیں کہ خدا آپ کا ہے اور آپ خدا کے ساتھ ہیں خدا آپ کے ساتھ ہوگا۔